قسط (۲)　　　مولانا عبدالرحمان کیلانی

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحیثیت جرنیل

جب حمص کا علاقہ مسلمانوں نے فتح کر لیا۔ تو سپہ سالار حضرت ابو عبیدہؓ چاہتے تھے کہ ہرقل کے پایہ تخت پر فوج کشی کریں۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے کچھ فوجیں اس طرف بھیج بھی دیں۔ لیکن دربارِ خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال اور آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس ارشاد کے موافق فوجیں واپس بلالی گئیں۔" (الفاروق ص ۱۸۸)

احنف بن قیس نے جب خراسان فتح کر لیا تو حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ خراسان اسلام کے قبضہ میں آگیا۔ حضرت عمرؓ فتوحات کی وسعت کو چنداں پسند نہیں کرتے تھے۔ خط پڑھ کر فرمایا کہ ہمارے اور خراسان کے درمیان میں آگ کا دریا حائل ہوتا تو کیا خوب ہوتا۔ احنف کے مردانہ حوصلوں کی اگرچہ تعریف کی اور فرمایا کہ احنف شرقیوں کا سرتاج ہے۔ تاہم جواب یہی لکھا کہ جہاں تک پہنچ چکے ہو وہاں سے آگے نہ بڑھنا۔ (ایضاً۔ ص ۲۵۱)

حضرت عمرو بن عاصؓ کی انتہائی خواہش تھی کہ مصر کو فتح کیا جائے لیکن حضرت عمرؓ آڑے آتے تھے۔ بالآخر عمرو بن عاصؓ کے اصرار پر راضی ہو گئے اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی۔ اس پر بھی ان کا دل مطمئن نہ تھا۔ عمروؓ سے کہا خدا کا نام لے کر روانہ ہو لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو اُلٹے پھر آنا۔ عریش پہنچے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خط مل گیا۔ اگرچہ اس میں پیشقدمی سے روکا گیا تھا۔ لیکن چونکہ شرطیہ حکم تھا، عمروؓ نے کہا کہ اب تو ہم مصر کی حد میں آچکے۔ (ایضاً ص ۲۵۳)

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسلامی نقطہ نگاہ سے کشور کشائی کوئی اچھی بات نہیں۔ تو دورِ نبوی کے آٹھ سالوں میں دس[1] لاکھ مربع میل کا وسیع رقبہ کیسے اسلام کے

---

[1] واضح رہے کہ اتنی قلیل مدت میں سکندر اعظم کے سوا اور کسی جرنیل نے اتنا وسیع علاقہ فتح نہیں کیا۔

زیرِ نگین آگیا۔ پھر یہ وسعت دورِ فاروقی میں پچیس لاکھ مربع میل کیونکر پہنچ گئی۔ جو پوری آباد دنیا کا چوتھائی حصہ بنتی ہے۔ تو اس سوال کا جواب ہم ایک عیسائی کی زبان سے پیش کرتے ہیں:

کشورکشائی کی وجوہ:۔ جب رومی شکست کھاکر دمشق اور حمص وغیرہ سے نکل کر انطاکیہ پہنچے تو ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام علاقے کو پامال کر دیا۔ ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں بلا کر پوچھا کہ "عرب تم سے زور میں جمعیت میں، سروسامان میں کم ہیں پھر تم ان کے مقابلے میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے؟" اس پر سب نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ البتہ ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کی کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں۔ وہ رات کو عبادت کرتے اور دن کو روزے رکھتے ہیں۔ کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ آپس میں ایک دوسرے سے برابری کے ساتھ ملتے ہیں۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں۔ بدکاریاں کرتے ہیں۔ اقرار کی پابندی نہیں کرتے۔ اوروں پر ظلم کرتے ہیں۔ اس کا یہ اثر ہے کہ ان کے کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ (الفاروق ص ۱۸۹)

یہ تو اس بات کا جواب تھا۔ کہ مسلمان وسائل کی کمی کے باوجود کیسے فتحیاب ہو جاتے ہیں۔ اس سے آگے بڑھیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اسلام میں کچھ ایسی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ کہ علاقے فتح نہ کرنے کے باوجود خودبخود فتح ہوتے چلے جاتے ہیں:

جب کوئی قوم یا ملک کسی دوسرے علاقہ کو فتح کرتا ہے۔ تو فاتح اور مفتوح قوم میں امتیاز بدستور قائم رہتا ہے۔ مثلاً انگریز قوم نے اگر ہندوستان کو فتح کیا تو اہل ہند خواہ کتنا ہی اپنے آپ کو انگریزوں کے رنگ میں رنگ دیں۔ وہ انگریز کبھی نہیں بن سکتے اور نہ ہی انہیں انگریزوں جتنے حقوق برطانیہ دے سکتا ہے۔ یہی حال جرمن، فرانس یا دوسری اقوام اور ان کے مقبوضات کا ہے۔ اس کے برعکس اسلام ایک تحریک ہے وہ کسی قوم یا ملک کے باشندوں کا نام نہیں۔ اب دیکھئے کہ اسلام عرب سے اٹھا۔ ان لوگوں نے ایران کو فتح کیا۔ اب اگر اہل ایران اپنے آپ کو عربوں سے زیادہ اسلام کے رنگ میں رنگ دیں تو یہ عربوں سے بھی زیادہ معزز بن سکتے ہیں۔ رہا حقوق کا مسئلہ تو اسلام لاتے ہی سب مسلمان ایک ہی سطح پر آجاتے ہیں۔ اسلام کی یہی وہ خوبی ہے جس

کی بناء پر عرب کے اکثر قبائلی علاقے از خود ہی اسلام لاکر اسلامی مملکت میں شامل ہوتے گئے۔ اس طرح قبائلی علاقوں کے سرداروں کی حکومت بھی انہی کے پاس رہی اور مسلمانوں کے برابر حقوق بھی مل گئے۔ اس طرح مفتوحہ علاقے اسلامی ریاست کے سلسلہ کی ایک کڑی تو سمجھے جا سکتے ہیں۔ لیکن ان میں حاکمیت اور محکومیت کا تصور پیدا ہی نہیں ہوتا۔

انہی باتوں کا اثر تھا کہ ایک صدی کے بعد اسلام نصف آباد دنیا پر پھیل گیا۔ پھر جب مسلمانوں میں اسلامی رُوح نہ رہی۔ اور جہاد میں دنیوی اغراض ومقاصد اور جنگ کا مقصد ہوس ملک گیری بن گیا۔ تو مسلمانوں کو شکستیں بھی ہونے کے واقعات سامنے آ گئے۔ اور فی الحقیقت اسی وقت ان کے انحطاط کا بیج پڑ چکا تھا۔

۹۔ فتح کے بعد قتل وغارت :

اسلامی نقطہ نظر، فتح کا مقصد محض فتنہ وفساد کو ختم کرنا اور اسلام کے پھیلاؤ کی رکاوٹوں کو دُور کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا فتح کے بعد وہ قتل و غارت اور لوٹ مار، مفتوحہ شہروں کو جلانا اور کھیتوں وغیرہ کو برباد کرنا اور ان جیسے دوسرے تمام افعال کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ لیکن دُنیوی اغراض کے تحت لڑنے والی قوموں کا فتح سے یہ مقصد ہوتا ہے کہ مفتوحہ علاقہ کی دولت پر ہاتھ صاف کیا جائے۔ اس ملک سے زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ اٹھایا جائے اور جہاں تک ممکن ہو اس پر قبضہ کو طویل سے طویل تر اور مستحکم بنایا جائے۔ تاکہ فوائد مذکورہ حاصل ہوتے رہیں۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے وہ :

(۱) تمام مقاتلین کو یا تو تہ تیغ کر دیتے ہیں یا غلام بنا لیتے ہیں۔ تاکہ مفتوحہ ملک کی فوجی طاقت کو کچل دیا جائے۔

(۲) تمام علاقہ کی دولت سمیٹنے کے بعد شہروں کو آگ لگا دیتے ہیں تاکہ مفتوح قوم معاشی لحاظ سے اتنی کمزور ہو جائے کہ وہ سر اٹھانے کے قابل ہی نہ رہے۔

(۳) غیر مقاتلین کا قتل عام اس لیے کیا جاتا ہے کہ کوئی شخص ان کے خلاف بغاوت کے لیے اٹھ نہ کھڑا ہو اور قبضہ تادیر بحال رہ سکے۔

اس لحاظ سے جب ہم دیکھتے ہیں۔ تو چنگیز خان سب سے بڑا سفاک اور ظالم نظر آتا ہے۔ اس نے کوئی علاقہ فتح نہیں کیا جہاں اس نے اس وحشت وبربریت کا مظاہرہ نہ کیا ہو۔ مثلاً :

(۱) ۶۱۶ھ میں جب وہ بخارا میں داخل ہوا تو باشندوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ جو بچے رہے قتل کیے گئے کچھ غلام بنائے گئے۔ بخارا جیسا عظیم الشان شہر جلا دیا گیا جو صرف کھنڈر کی صورت میں باقی رہ گیا۔ (تاریخ ملت ج ۶ حصہ دوم ص ۳۶۱)

(۲) رے کو فتح کرنے کے بعد اسے تاخت و تاراج کر ڈالا پھر ہمدان کو لیا اور قزوین کو فتح کرکے چالیس ہزار باشندے تہ تیغ کر دیئے۔ (ایضاً ص)

(۳) خوارزم کو فتح کیا تو پہلے شہر کو لوٹا۔ پھر اسے ویران کیا۔ اس پر بھی جوش انتقام کم نہ ہوا تو دریا کے بند کو جس کے ذریعہ شہر میں پانی آتا تھا، کھول دیا جس سے سارا شہر مع آبادی کے تہ آب ہو گیا۔ (ایضاً ص ۳۶۳)

(۴) ترمذ پر قبضہ کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کو قتل کرا دیا۔ پھر ترمذ کی طرح بلخ اور طالقان بالیاں کی آبادی کو بھی ختم کرا دیا۔ پھر اس کے بعد غزنہ اور غور پر قبضہ کرکے پوری آبادی کو قتل کر دیا۔ (ایضاً ص ۳۶۴)

(۵) چنگیز خاں نے پنجاب تک جلال الدین کا تعاقب کیا۔ وہ تو ہاتھ نہ آیا۔ اور تاتاری پنجاب اور ملتان کو تاخت و تاراج کرتے ہوئے واپس چلے گئے۔ تاتاری خراسان، فارس، آذربائیجان، ازمستان، اران، کوج اور قفجان کے سارے علاقے زیر و زبر کرتے ہوئے روس کے علاقے تک پہنچ گئے۔

اب سکندر اعظم کا حال سنئے۔ جس کی قوم کو اس دور میں دنیا کی مہذب ترین قوم ہونے کا فخر حاصل تھا۔ شام کے قدیم تجارتی مرکز صور کو اس نے چھ ماہ کے سخت محاصرہ کے بعد فتح کیا۔ تو ۸ ہزار بے گناہ انسانوں کو بے گناہ قتل کیا اور ۳۰ ہزار کو غلام بنا کر بیچ ڈالا۔ (الجہاد فی الاسلام)

ایران میں پیش قدمی کرتے وقت اس کے سپاہیوں نے نہایت بے دردی کے ساتھ ملک کو تباہ کیا اور فتح حاصل کرنے کے بعد ایران کے بحری بیڑے کو تباہ کر دیا۔ پھر عراق و ایران میں جو قتل و غارت، لوٹ مار اور تباہی مچائی یہ سب واقعات تاریخوں میں محفوظ ہیں۔

اس سلسلے میں نپولین بوناپارٹ کا کردار اس ایک واقعہ سے ہی ظاہر ہو جاتا ہے کہ ۱۷۹۹ء میں ..... چار ہزار ترک فوج نے اس شرط پر نپولین کی اطاعت قبول کی تھی کہ

ان کی جان بخشی کی جائے یہ فوج مفتوح نہ تھی بلکہ نپولین سے امان یافتہ تھی۔ لیکن نپولین نے انہیں امان دینے کے باوجود اس بنا پر قتل کروا دیا کہ وہ ان کے لیے خوراک مہیا نہیں کر سکتا۔ نہ ہی انہیں مصر روانہ کر سکتا ہے۔

اس پہلو سے بھی جب ہم حضور اکرمؐ کے کردار پہ نگاہ ڈالتے ہیں۔ تو وہ دنیا کے تمام جرنیلوں سے بلند مقام پہ نظر آتے ہیں۔

۱۰۔ مفتوحہ علاقوں میں نظام عدل کا قیام :

فتح کے بعد سب سے اہم مسئلہ مفتوحہ علاقہ میں نظام عدل کا قیام ہے۔ دنیوی فاتحین کے لیے یہ نہ کوئی مسئلہ ہوتا ہے نہ اس کی ضرورت سمجھی گئی ہے۔ لیکن ایک اسلامی سپہ سالار کے لیے سب سے اہم مسئلہ ہی یہ ہے۔ اور اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو جہاد کا مقصد ہی نظام عدل کا قیام ہے۔ اور اسلامی نقطۂ نظر سے اصل کامیابی دشمن کو میدان جنگ میں شکست دینا نہیں بلکہ مفتوحہ علاقہ میں عدل و انصاف قائم کرنا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

"اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ" (۲۲/۴۱)

"وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین پر قبضہ دیں تو نماز قائم کریں۔ زکوٰۃ ادا کریں۔ اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں گے۔"

آیت بالا میں نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا تعلق تو صرف مسلمانوں سے ہے مگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام پوری اطاعت گزار رعایا کو محیط ہوتا ہے۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم اس فریضہ کو ادا کرنے کے لیے چار چیزوں کا اہتمام ضروری ہے۔ قیام امن، تعلیم، احتساب اور فحاشی کا سد باب۔

دور نبوی میں عرب کا سارا علاقہ اسلام کے زیر نگین آ چکا تھا۔ آپؐ نے اسے سات صوبوں میں تقسیم کیا۔ ہر صوبہ میں ایک والی مقرر کیا جاتا تھا ایک عامل اور ایک قاضی۔ والی گورنر اور سپہ سالار دونوں کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔ گویا داخلی امن اور دفاعی امور دونوں کا وہ ذمہ دار ہوتا تھا۔ عامل بیت المال کے انتظام پر مامور تھا۔ اور قاضی جج یا صوبہ کے چیف جسٹس کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے دور میں مملکت اسلامیہ میں وسعت

ہوئی تو دس صوبے بنائے گئے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں گیارہ صوبے تھے۔ دورِ فاروقی میں والی کے فرائض کو دو الگ حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ داخلی امن کے لیے محکمہ پولیس کی تشکیل دی گئی۔ اور دفاع وغیرہ کے لیے محکمہ فوج کی۔

ایک اسلامی ریاست میں تعلیم کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ کیوں کہ تعلیم ہی اسلامی نظریہ حیات کی روحِ رواں ہے۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے معلّم بنا کر بھیجا تھا۔ ویسے تو آپؐ ہر وقت اور ہر کسی کو تعلیم دیتے رہتے تاہم اصحاب صُفّہ پر آپؐ کی خصوصی توجہ رہتی تھی۔ اصحاب صفّہ دراصل اس دور کی یونیورسٹی تھی۔ یہ حضرات چوبیس گھنٹے مسجد نبوی میں رہ کر آپؐ کی تعلیم اور کردار دونوں باتوں سے مستفیض ہوتے تھے۔ اسی یونیورسٹی سے سینکڑوں معلّم، مبلغ اور واعظ اور قاری تیار ہوتے جو دوسرے علاقوں میں تعلیمی فرائض سرانجام دینے کے لیے بھیجے جاتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے تعلیم کو بہت ترقی دی اور تمام والیوں اور عاملوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا کہ لوگوں کو کتاب و سنت کی تعلیم دیں۔ اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے ایک بار فرمایا کہ اے اللہ! میں اپنے تمام علاقوں کے عاملوں پر تجھ کو گواہ ٹھہراتا ہوں کہ میں نے انہیں اس لیے مقرر کیا ہے کہ کتاب و سنت کی تعلیم دیں" تمام افسروں کا تقرر کرتے وقت اس بات کا خیال رکھتے کہ وہ عالم اور فقیہہ بھی ہوں۔ ملکی افسروں کے علاوہ فوجی افسروں کے بارے میں بھی حتی الوسع ایسی ہی احتیاط برتتے۔ چنانچہ آپؓ کے فوجی افسروں کی فہرست میں بڑے بڑے ممتاز علماء کے نام پائے جاتے ہیں۔

قرآن و حدیث کے علاوہ زبان و ادب اور حساب و ریاضی کی تعلیم پر بھی خصوصی توجہ دی۔ حساب دان تیار ہوئے حساب کے کاغذات۔ نقشہ جات، دفاتر، محاصل کا باقاعدہ حساب اور سنہ ہجری کا اجراء آپؓ ہی کے عہد میں ہوا۔

احتساب سے مراد یہ ہے کہ رعایا کے اعمال و افعال پر کڑی نظر رکھی جائے آیا وہ ان میں دیانتداری سے کام لیتے ہیں۔ یا مکر و فریب اور بددیانتی کرتے ہیں۔ آپؐ خود ایک دفعہ منڈی تشریف لے گئے۔ گندم کا ایک ڈھیر برائے فروخت پڑا تھا۔ آپؐ نے اس کے اندر ہاتھ داخل کیا تو نمی محسوس ہوئی۔ آپؐ نے گندم کے مالک سے کہا" یہ کیا ہے؟" مالک نے کہا رات شبنم کافی پڑی تو یہ گیلی ہو گئی۔ آپؐ نے فرمایا" تو پھر تم

نے اسے باہر کیوں نہیں کیا" پھر فرمایا: "جس کسی نے ہم سے دھوکا کیا۔ اس کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں" (مسلم۔ کتاب الایمان)

اسی طرح ایک دکاندار کو دیکھا وہ ذرا کم تول رہا تھا آپؐ نے فرمایا زِن وَارْجِحْ (تول تو ذرا جھکتا تول) یہ تو منڈی کی بات تھی آپؐ اپنے جرنیلوں کی کارکردگی پر بھی کڑی نظر رکھتے تھے۔ آپؐ نے ایک مہم میں خالدؓ بن ولید کو سپہ سالار بنایا۔ انہوں نے چند ایسے آدمیوں کو قتل کر دیا جنہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا، آپؐ کو اطلاع ملی تو آپؐ حضرت خالدؓ سے سخت برہم ہوئے اور پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو خالدؓ نے جواب دیا کہ ان لوگوں نے جان بچانے کی خاطر از راہ مخالفت یہ کلمات کہے تھے۔ تو آپؐ نے فرمایا "کیا تم نے ان کا دل چیر کے دیکھ لیا تھا؟ پھر آپؐ نے ہاتھ اٹھا کر فرمایا" اے اللہ! میں خالدؓ کے اس کام سے بری الذمہ ہوں" بعد ازاں آپؐ نے مقتولین کا خون بہا بھی ادا کر دیا۔

(حوالہ جات پہلے دیئے جا چکے ہیں)

اور بھی ایسے کئی واقعات ہیں جنہیں احتساب کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے۔ دورِ فاروقی میں حضرت عمرؓ نے باقاعدہ احتساب کا الگ محکمہ قائم کیا۔ فحاشی کے سدّ باب کے لیے وعید، سزائیں اور حدود سب طریقے تجویز کیے گئے ہیں۔ جرائم کی روک تھام کے لیے عدالتیں قائم کی جاتی ہیں۔ پہلی عدالت خود حضور اکرمؐ کی ذات تھی جن کے فیصلے مسجد نبوی میں ہوتے تھے۔ چوری اور زنا کے کئی جرائم میں آپؐ نے مجرموں کو سزائیں دیں۔

دورِ فاروقی میں قضا و عدل کا الگ محکمہ ہوا۔ جہاں انصاف مفت بھی حاصل ہوتا تھا اور جلد بھی۔ بسا اوقات یوں بھی ہوا۔ کہ حضرت عمرؓ اپنا درہ پکڑے بازار میں گشت کر رہے ہیں۔ کہیں کوئی جھگڑا یا جرم ہوتا دیکھا۔ موقعہ پر شہادتیں لیں۔ اور اسی مقام پر سزا سنا کر اسے نافذ بھی کر دیا۔ مفت اور بلا تاخیر انصاف سے جرائم میں حیران کن کمی واقع ہوگئی۔ تجربہ شاہد ہے کہ انصاف میں تاخیر جرائم کو کم کرنے کی بجائے اس میں پیہم اضافہ کا سبب بنتی ہے۔

عقیدہ آخرت اور ارکان اسلام کی ادائیگی سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ جو انسانوں کو ایسے تمام گناہوں سے رُکنے کا مؤثر سبب بنتا ہے جن تک قانون کی دسترس نہیں۔ اس

لہ احمد، ابوداؤد، ترمذی، بحوالہ مشکوٰۃ۔

طرح فحاشی کے تمام محرکات اور منکرات کا خاتمہ یا ان میں معتد بہ کمی داقع ہوجاتی ہے۔
یہ ہیں ایک اسلامی مملکت کی ذمہ داریاں جو اسے مفتوحہ علاقوں میں سرانجام دینا پڑتی ہیں۔ اب تلایئے جو جرنیل فتح کے بعد خود بے گناہ شہریوں کا قتل عام کرتا ہو۔ لوٹ مار۔ سے یا دوسرے طریقوں سے مفتوحہ علاقہ کی معیشت کو مفلوج کردیتا ہو۔ فتح کے بعد فوجیوں کو مفتوحہ علاقوں کی عورتوں کی عصمت دری کی عام اجازت دیتا ہو، اور خود ان کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتا ہو۔ وہ مفتوحہ علاقہ کی فلاح و بہبود کا خیال تک بھی دل میں لاسکتا ہے؟

جب حضرت عمرؓ کو جنگ قادسیہ کی فتح کی خوشخبری ملی تو آپؓ نے ایک پُر اثر تقریر فرمائی۔ جس کا آخری حصّہ یہ تھا:

"مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تمہیں غلام بناؤں۔ میں تو خود خدا کا غلام ہوں۔ البتہ خلافت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح کام کروں کہ تم چین سے سوؤ تو یہ میری سعادت ہے۔ اور اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو یہ میری بدبختی ہے۔ میں تم کو تعلیم دینا چاہتا ہوں۔ لیکن باتوں سے نہیں بلکہ عمل سے۔"

(الفاروق ص ۱۶۷ شبلی نعمانی)

اس اقتباس سے یہ واضح ہوجاتا ہے۔ کہ مفتوحہ علاقوں میں اسلام کس قسم کا نظام قائم کرنا چاہتا ہے اور اس کی تعلیم کیا ہے؟

سکندر اپنے دور کی مہذب ترین قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے مفتوحہ علاقوں میں فلاح و بہبود کا کونسا کام کیا تھا؟ چنگیز کو عظیم جرنیل کے بجائے عظیم ڈاکو اور لٹیرا کہا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ یہ لوگ جرنیل ضرور تھے مگر انتظامی صلاحیتوں سے عاری تھے، البتہ نپولین میں انتظامی صلاحیتیں موجود تھیں۔ اس نے اندرون ملک کچھ اصلاحات بھی کیں۔ مگر مفتوحہ علاقوں میں اس کی باری ہی نہیں آئی۔ جتنے علاقے اس نے فتح کیے یا زیر اثر بنائے، اس کی ناقص جنگی پالیسی اور سیاسی تدبر کے فقدان کی وجہ سے اس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ اس کی آخری زندگی انتہائی ناکامیوں اور مایوسیوں میں گزری۔ بالآخر گرفتار ہوا اور چھ سال بعد مر گیا۔

مندرجہ بالا تصریحات سے واضح ہے کہ مفتوحہ علاقوں میں قیامِ امن، انتظام وانصرام اور بدی کے استیصال کے پہلو سے اگر تمام دنیا کے جرنیلوں کو دیکھا جائے تو حضور اکرم کی ذات ہمیں سب سے بلند نظر آتی ہے۔

۱۲۔ ایفائے عہد:

مناسب موقع دیکھ کر معاہدات کو پس پشت ڈال دینا اور موقع کی نزاکت سے فائدہ اٹھانا دنیا کا عام دستور ہے۔ اور دنیا کا کوئی جرنیل بھی اس معاملہ میں اپنی صفائی پیش نہ کرسکتا۔ یہ امتیاز صرف اسلام ہی کو حاصل ہے۔ کہ وہ نقصان برداشت کرنا گوارا کرسکتا ہے مگر عہد سے انحراف کسی قیمت پر جائز قرار نہیں دیتا۔

اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ایک ایفائے عہد بھی ہے۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا۔ (۱۷/۳۶)

"اپنے عہد کو پورا کرو۔ بے شک عہد کے متعلق باز پرس ہوگی۔"

اور نقض عہد کو ایک بدترین جرم قرار دیا ہے۔ اس موضوع پر قرآن کریم میں بے شمار آیات ہیں۔ جن کا درج کرنا یہاں ممکن نہیں۔

عہد ایک شخص کا دوسرے شخص سے ہو یا ایک شخص کا کسی قوم سے یا کسی قوم کا دوسری قوم سے۔ وہ بہر حال عہد ہے اور اس کا پورا کرنا عین فرض ہے۔ پھر جب یہ عہد کسی دوسری قوم یا قبیلہ یا ملک سے طے پا جائے تو سیاست خارجہ کی کامیابی کا انحصار اس ایفائے عہد پر ہوتا ہے۔

حضور اکرم کی عظمت یہ ہے کہ زندگی بھر دشمن آپؐ سے بدعہدی اور غداری کرتے رہے۔ لیکن آپؐ نے جوابی کارروائی کے طور پر بھی نقضِ عہد کو برداشت نہیں کیا۔

یہود کی بدعہدی تو زباں زد ہے۔ انہوں نے میثاقِ مدینہ کی ہر ہر بار خلاف ورزی کی۔ ان کی غداریوں اور عہد شکنیوں کے واقعات بے شمار ہیں۔

دوسرے قبائل نے بھی بدعہدی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ صلح حدیبیہ کے بعد بنو بکر کی حمایت کر کے قریش مکہ نے معاہدہ کی صریح خلاف ورزی کی۔ بنو ثعلبہ نے تبلیغ اسلام کی خاطر آپؐ سے آدمی طلب کیے تو آپؐ نے دس عالمانِ دین ساتھ روانہ کیے۔

انہوں نے غداری کرکے انہیں شہید کر دیا۔ یہی کام بنوعضل وقارہ نے کیا۔ انہوں نے تبلیغ اسلام کے نام پر دس عالمان دین کو غداری سے شہید کر دیا اور بیرٔ معونہ کا واقعہ تو بڑا ہی دردناک ہے۔ جس میں ۷۰ ممتاز قاریان اور عالمان دین کے مقابلہ میں قبیلہ رعل اور ذکوان کی جمعیت لاکر انہیں شہید کر دیا گیا۔ جس کا حضور اکرمؐ کو بہت ہی زیادہ دکھ ہوا۔

اب اس کے مقابلہ میں آپؐ کے ایفائے عہد کے واقعات بھی سن لیجئے کہ کیسے نازک موقعوں پر آپؐ نے ایفائے عہد پر اپنے ہر طرح کے مفادات کو قربان کر دیا۔

(۱) اسی بیرٔ معونہ کے حادثہ میں ایک صحابی عمرو بن امیہ بچ نکلے لیکن بعد میں گرفتار ہو گئے۔ عامر بن طفیل ـــ جس نے ان قاریوں کو شہید کروایا تھا ـــ نے عمروؓ بن امیہ کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔ لہٰذا میں یہ منت پوری کرنے کی خاطر عمرو بن امیہ کو چھوڑتا ہوں۔

عمروؓ بن امیہ کو راستے میں اسی قاتل قبیلہ کے دو افراد راستہ میں مل گئے تو آپ نے ان کو قتل کر دیا ـــ اتفاق کی بات ہے کہ حضورؐ ان دو آدمیوں کو امن دے چکے تھے۔ جس کا عمرو بن امیہ کو علم نہ تھا۔ اب حالات کا تقاضا یہ تھا کہ بنو عامر سے جتنی بھی ہوسکے ان کی غداری کی وجہ سے ان پر سختی برتی جاتی۔ لیکن آپؐ نے اپنے عہد کا لحاظ رکھتے ہوئے ان کا خون بہا ادا کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۷۳)

(۲) حضرت حذیفہؓ بن یمان اور حضرت حُسیلؓ کسی سفر میں کفار کے ہتھے چڑھ گئے۔ انہوں نے جنگ میں عدم شرکت کا وعدہ کیا تب ان کی جان چھوٹی۔ جنگ بدر میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے واقعہ بیان کیا۔ اس وقت مسلمانوں کو ایک ایک آدمی کی شدید ضرورت تھی۔ اس کے باوجود آپؐ نے انہیں جنگ میں شامل ہونے کی اجازت نہ دی اور فرمایا "ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے۔ ہم کو ہر حال میں خدا کی مدد درکار ہے"

(مسلم کتاب الجہاد۔ باب الوفاء بالعہد)

(۳) صلح حدیبیہ کی شرائط لکھی جا چکی تھیں لیکن ابھی معاہدہ پر دستخط نہیں ہوئے تھے۔ قریش کے نمائندہ سہیل بن عمرو کے لڑکے ابوجندلؓ قید سے فرار ہو کر پابہ زنجیر مسلمانوں کے سامنے گر گئے۔ وہ اپنے زخم دکھا دکھا کر حضور اکرمؐ سے التجا کر رہے تھے کہ آپ مجھے واپس لیجئے، مسلمان پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے، تڑپ اٹھے، بیعت رضوان مکمل ہو چکی تھی۔ اس

حال میں آپؐ نے تمام مسلمانوں کی ناراضی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے محض ایفائے عہد کی خاطر ابوجندل کو واپس کر دیا اور فرمایا " ابوجندل! صبر اور ضبط سے کام لو۔ خدا تمہارے لیے اور مظلوموں کے لیے کوئی راہ نکالے گا۔ صلح اب ہو چکی اور ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے " (ابن ہشام)

(۴) مکہ میں رہ جانے والے مظلوم مسلمانوں میں سے ایک عُتبہ بن اسید (ابوبصیر) تھے۔ یہ بھی کفار قریش کے مظالم سے تنگ آ کر مدینہ بھاگ آئے۔ ساتھ ہی قریش کے دو آدمی پہنچ گئے کہ ہمارا آدمی واپس کر دیجئے۔ آپؐ نے ابوبصیرؓ سے واپس جانے کو کہا تو انہوں نے جواب دیا۔ آپ مجھے کافروں کے پاس بھیجتے ہیں کہ پھر مجھے کفر پر مجبور کر دیں۔ اب ایک طرف کفر کا خطرہ سامنے تھا، دوسری طرف ایفائے عہد۔ آپؐ نے عتبہ سے فرمایا " اللہ تعالیٰ اس کی کوئی راہ نکالے گا اور عتبہ کو کافروں کی حراست میں دے دیا۔ راستہ میں عتبہ نے ایک نگران کو تو قتل کر دیا۔ دوسرا مفرور ہو کر پھر مدینہ آپؐ کے پاس پہنچ گیا اور شکایت کی۔ ساتھ ہی ابوبصیر بھی آپؐ کے پاس پہنچ گئے اور کہا " آپؐ نے عہد کے مطابق مجھے واپس کر دیا تھا۔ اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں " (طبری ج ا صلح حدیبیہ)

(۵) غرض ایسے نازک موقعوں پر آپؐ کے ایفائے عہد کے واقعات بیشمار ہیں۔ حتیٰ کہ آپؐ کے دشمن بھی آپؐ کی اس خوبی کا برملا اعتراف کرتے تھے۔ جنگ احزاب کے موقعہ پر جب بنو نضیر کے سردار حی بن اخطب نے بنو قریظہ کو عہد شکنی پر برانگیختہ کیا۔ تو بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد نے یوں جواب دیا:

"فَاِنِّیْ لَمْ اَرَمِنْ مُحَمَّدٍ اِلَّا صِدْقًا وَّ وَفَاءً "

"میں نے محمدؐ کو ہمیشہ سچ کہنے والا اور وعدہ پورا کرنے والا پایا ہے "

کعب بن اسد کی اس شہادت کے باوجود کہ صدق اور وعدہ وفائی بہت بڑی خوبی ہے —— جو محمدؐ میں پائی جاتی ہے —— جب اس کی اپنی باری آئی بالآخر عہد شکنی ہی کی۔ (طبری - ج ا غزوۂ خندق)

پھر یہ خوبی آپؐ کی ذات تک ہی محدود نہ تھی بلکہ آپؐ کے جانشینوں نے بھی عہد کی پوری پوری پابندی کر کے مثال قائم کر دی۔

دورِ فاروقی میں شام کی فتوحات کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے دمشق

کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ ایک دن اہل دمشق کوئی جشن منا رہے تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چند جانبازوں کے ہمراہ فصیل پر کمند لگائی۔ اُوپر چڑھے اور قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔ خالدی فوج فاتحانہ انداز میں قلعہ میں داخل ہو گئی۔ اہل دمشق نے دوسری جانب حضرت ابو عبیدہؓ سے مصالحت کی درخواست کر دی جو انہوں نے نئی صورتِ حال سے لاعلمی کی بنا پر قبول کر لی۔ چنانچہ محض ایفائے عہد کی خاطر حضرت ابو عبیدہؓ نے مفتوحہ علاقہ اہل دمشق کو واپس دے دیا۔ (تاریخ اسلام۔ حمیدالدین ص ۱۴۸)

شام کی فتوحات کے دوران عیسائیوں نے صلح کے لیے اپنے قاصد جارج کو حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس بھیجا۔ وہ شام کے وقت پہنچا۔ نماز باجماعت کا پرکیف منظر دیکھ کر سخت متاثر ہوا۔ بعد میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق چند سوال کیے جن کا حضرت ابو عبیدہؓ نے شافی جواب دیا۔ نتیجتاً جارج مسلمان ہو گیا۔ اور چاہا کہ یہیں رہ جائے لیکن حضرت ابو عبیدہؓ نے محض اس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا گمان نہ ہو اسے مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائے گا اس کے ساتھ چلے جانا۔ (الفاروق ص ۱۹۶)

امان یا پناہ :

امان یا پناہ بھی ایفائے عہد ہی کی ایک قسم ہے۔ مسلمانوں کا ایفائے عہد دشمنوں میں بھی اس قدر زبان زد تھا کہ دشمن نے بعض دفعہ مسلمانوں کی کسی واقعہ سے لاعلمی سے فائدہ اٹھا کر امان حاصل کی۔ اور عظیم فائدے حاصل کیے، اور مسلمان جو پناہ دے چکے تھے، یہ جانتے ہوئے کہ ان سے مکر و فریب سے امان حاصل کی گئی ہے، اپنا نقصان اٹھا کر بھی اس عہد کو پورا کیا۔

غلام کی امان :

فوزستان (ایران) کی فتوحات کے سلسلہ میں ایک مقام جندی سابور کا مسلمانوں نے محاصرہ کیا ہوا تھا کہ ایک دن شہر والوں نے خود شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے اور نہایت اطمینان سے اپنے کام کاج میں لگ گئے۔ مسلمانوں کو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی۔ سبب پوچھا تو شہر والوں نے کہا کہ: تم ہم کو جزیہ کی شرط پر امان دے چکے ہو۔ اب کیا جھگڑا رہا؟ سب کو حیرت تھی کہ امان کس نے دی؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر امن کا رقعہ لکھ دیا ہے۔ ابو موسیٰ رضہ نے کہا ایک غلام کی امان

حجت نہیں ہو سکتی۔ شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد غلام نہیں جانتے۔ آخر حضرت عمرؓ کو خط لکھا گیا۔ آپؓ نے جواب میں لکھا کہ "مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جس کو اس نے امان دی تمام مسلمان امان دے چکے" (الفاروق ص ۲۳۱)

دھوکہ کی امان :

عراق و ایران کی جنگوں کے سلسلہ میں غارق کے مقام پر ابوعبیدہؓ اور جاپان سالارِ لشکر کی افواج کا مقابلہ ہوا۔ جاپان شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ مگر جس مجاہد نے اسے گرفتار کیا تھا وہ اسے پہچانتا نہیں تھا۔ جاپان نے اس کی لاعلمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے عوض دو نوجوان غلام دینے کا وعدہ کر کے امان لے لی۔ اتنے میں کسی دوسرے نے اسے پہچان لیا اور پکڑ کر سردارِ لشکر کے پاس لے گئے۔

ابوعبیدہؓ نے کہا کہ ایسے دشمن کا چھوڑ دینا اگرچہ ہمارے حق میں بہت مضر ثابت ہو گا مگر ایک مسلمان اسے امان دے چکا ہے۔ اس لیے بدعہدی جائز نہیں۔ چنانچہ وعدہ کے مطابق اسے رہا کر دیا گیا۔ (تاریخ اسلام۔ حمید الدین ص ۱۳۲)

۱۴۔ فراست یا دُور اندیشی :

حالاتِ جنگ (حرب۔ WAR) یا میدانِ جنگ (قتال۔ BATTLE) میں بعض دفعہ ایسے حالات پیش آجاتے تھے کہ جرنیل اپنی کسی مجبوری یا مصلحت کی وجہ سے صلح پر آمادہ ہوتا ہے۔ لیکن دشمن ایسی شرائط پیش کر دیتا ہے۔ جو بظاہر توہین آمیز اور ناگوار ہوتی ہیں۔ اس وقت اپنی مصلحتوں اور شرائط کے نتائج کا صحیح موازنہ کر کے مناسب اقدام کرنا جرنیل کی عظمت کی بہت بڑی دلیل ہوتی ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے وقت حضور اکرمؐ نے صحابہ کی ناراضی کے باوجود کفار کی کڑی اور توہین آمیز شرائط کو کیوں قبول کیا اور اس کے نتائج کیسے شاندار رہے۔

سکندرِ اعظم اور چنگیز خان کو ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ ان کی تمام تر زندگی مار دھاڑ میں گزری۔ البتہ نپولین کی زندگی میں ایک مرتبہ ایسا واقعہ بھی پیش آگیا۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے :

اکتوبر ۱۸۱۳ء میں اتحادیوں نے نپولین کو لیپزگ (LA PIZG) کے مقام پر فیصلہ کن

شکست دی۔ جس کے نتیجہ میں جرمنی کی ریاستوں (جن کا نپولین نگران بنا ہوا تھا) نے اتحاد توڑ گیا۔ ہالینڈ آزاد ہوگیا اور بویریا اتحادیوں سے مل گیا۔ نپولین کو دریائے رائن کو عبور کر کے فرانس کی سرحد پر آنا پڑا۔ اب نپولین کے سامنے سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ خود فرانس کی حفاظت کیسے ہو؟

ایسے نازک حالات میں ۱۸۱۴ء میں اتحادیوں نے نپولین کو صلح کی پیشکش کی جسے فرینک فورٹ (FRANKFORT) کی شرائط کہتے ہیں۔ اس پیشکش کی رُو سے فرانس کو اپنی اصلی اور قدرتی حدود کے اندر مقید رہنا پڑتا تھا۔ اتحادیوں نے یہ پیش کش کی تھی کہ فرانس کی سرحد ایک جانب کوہ ایلپس اور پائرنس (PYRENESS) تک ہوگی اور دوسری جانب دریائے رائن تک۔ اگر نپولین ان شرائط کو مان لیتا تو یہ اس کی بہت بڑی کامیابی اور اس کے لیے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھی۔ مگر اس وقت بھی اس کے سر پر فرانس کی وسیع سلطنت کا بھوت سوار تھا۔ لہٰذا اس نے ان ذلت آمیز شرائط کو ماننے سے انکار کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتحادیوں نے فرانس پر دھاوا بول دیا۔ نپولین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر چند ہفتوں کے بعد ہی اسے معلوم ہوگیا کہ لڑائی بیکار ہے۔ دشمن کی فوجیں پیرس کے دروازوں تک پہنچ چکی تھیں لہٰذا ۶ را پریل ۱۸۱۴ء کو قصر شاہی سے ایک اعلان جاری کیا جس کی رُو سے وہ فرانسیسی تخت سے دست بردار ہوگیا۔ اور اتحادیوں نے اسے جزیرہ ایلبا میں بھیج دیا۔ (جدید تاریخ یورپ۔ ایم شمس الدین)

اگر اس وقت نپولین غرور و نخوت کے بجائے دور اندیشی سے کام لیتا تو اسے یہ بُرے دن دیکھنا نصیب نہ ہوتے۔

۱۵۔ تربیت یافتہ جانشین:

کسی جرنیل کی عظمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اپنے سالاروں کی تربیت کیسے کرتا ہے۔ اور اپنے بعد کتنے اور کیسے جانشین چھوڑ کر جاتا ہے؟ اس لحاظ سے سکندر اعظم کو دیکھئے تو اس کے جانشینوں میں ہمیں صرف سلوکس کا نام نظر آتا ہے۔ جس نے ایشیا میں اپنی سلطنت کی بنیاد رکھی جس کو پائیداری نصیب نہ ہو سکی۔ چنگیز نے اپنے مفتوحہ علاقے اپنے چار بیٹوں میں تقسیم کر دیئے۔ چنگیز ہی کا ایک پوتا ہلاکو خاں تھا۔ جس نے بغداد کو فتح کرنے کے بعد وہ مظالم ڈھائے کہ دادا کی وحشت و بربریت کو بھی مات کر دیا۔

نپولین کی ۱۸۰۷ء سے بعد کی زندگی، ناکامیوں اور مایوسیوں کی پُر درد داستان بن گئی لہٰذا وہ اپنے سالاروں کی کیا تربیت کرتا؟

اب حضور اکرمؐ کے جانشینوں کا حال سنیے - ان میں سے ایک خالدؓ بن ولید ہیں۔ جنہوں نے:

- جنگ موتہ میں تین ہزار فوج سے دشمن کی ایک لاکھ فوج کا منہ پھیر دیا۔
- عراق و ایران کا بیشتر اور شام کا نصف حصہ فتح کیا۔
- اسلام لانے کے بعد زندگی بھر کبھی شکست کا منہ نہیں دیکھا، آپؓ کی ہمیشہ یہ آرزو رہی کہ میدانِ جنگ میں شہادت نصیب ہو۔ مگر یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔
- خالدؓ کی معزولی کا ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ لوگ سمجھنے لگ گئے تھے کہ فتح اور خالدؓ بن ولید لازم و ملزوم ہیں۔
- خالدؓ کا کردار اتنا بلند تھا کہ عین معرکہ حق و باطل میں حضرت عمرؓ کی طرف سے معزولی کا حکم ملتا ہے تو کسی قسم کا ملال لائے بغیر حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کی ماتحتی میں اسی جوش و خروش سے جنگ میں حصہ لیتے ہیں۔

پھر ان میں سے ایک خود حضرت عمرؓ ہیں۔ جو دربار خلافت میں بیٹھ کر تمام جنگوں کے نقشے خود تیار کرتے تھے۔ سپہ سالاروں کے بارے میں بڑی دور اندیشی سے کام لیتے اور انہیں مسلسل ہدایات جاری کرتے رہتے تھے۔ ان سے کام لینا جانتے تھے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ آپ کے حکم سے سرتابی کرے۔ اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اپنے دور میں حضرت عمرؓ خود سپہ سالار اعظم تھے۔

پھر ان میں سے ایک حضرت عمروؓ بن عاص ہیں جنہوں نے شام کا بہت سا علاقہ بھی فتح کیا۔ جنہیں حضرت عمرؓ مزید پیش قدمی سے روکتے رہے۔ لیکن آپ نے کسی نہ کسی حیلے بہانے ان کی اجازت لے کر پورے مصر کو فتح کر ڈالا۔ اور فاتح مصر کہلائے۔

پھر ان میں سے ایک ابو عبیدہؓ بن الجراح ہیں جن کی عظمت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے مدبر سیاست دان نے خالدؓ بن ولید کو معزول کر کے سپہ سالاری کا تاج انہیں پہنایا اور جنہوں نے شام کی فتوحات میں نمایاں کردار ادا کیا۔

ان میں سے ایک سعد بن ابی وقاصؓ ہیں۔ جو قادسیہ کو فتح کرنے کے بعد مدائن